مولانا رئیس احمد جعفری

عالم اسلام سے مسلمانانِ برِعظیم کی وابستگی

یہ خصوصیت شاید برصغیر پاک و ہند ہی کے مسلمانوں کو حاصل ہے کہ ہر دور میں اور ہمیشہ اسلام، اور عالم اسلام سے انھیں والہانہ تعلق خاطر رہا ہے۔ محمد تغلق جیسا سخت گیر اور خوں آشام فرماں روا تھا کے نہیں معلوم لیکن جب خاندانِ خلافت کا ایک فرد دلی پہنچا تو ابن بطوطہ کی روایت کے مطابق اس کی خدمت میں اپنا راج پاٹ پیش کرنے اور عزلت گزینی کی زندگی بسر کرنے کو تیار ہو گیا۔ بہادر شاہ ظفر کا عملی حصہ ۱۸۵۷ کے غدر میں بہت محدود اور مختصر تھا، پھر بھی ان کے خلاف مقدمۂ بغاوت میں وکیل سرکار نے جو دستاویز پیش کیں، ان میں وہ مکاتیب بھی تھے جو سلطنت ہند کی طرف سے حکومت ایران وغیرہ کو بھیجے گئے تھے غدر کے بعد انگریزوں کی ہیبت اور دہشت کے باوجود عالم یہ تھا کہ مولانا شبلی جیسے عافیت پسند شخص کو "شمس العلما" ہونے پر اتنا ناز نہ تھا جتنا تمغۂ مجیدیہ کے حصول پر۔ زار روس کو شکست فاش دینے والے شیر پلونا عثمان پاشا کی خدمت میں جس فرطِ عقیدت سے وہ حاضر ہوئے ہیں وہ ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ غرض ہر دور میں اور ہر زمانے میں عالم اسلام سے مسلمانانِ برصغیر کا فدائیانہ ربط و تعلق قائم رہا۔ اب ہم اس اجمال کی "تفصیل مجمل" پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

افغانستان ——— برطانوی استعمار کے زیر دستوں اور وظیفہ خواروں میں افغانستان کا شمار بھی ہوتا تھا۔ حربی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے اس کا فرماں روا بادشاہ تک تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن یہ طرزِ عمل تو انگریزوں کا تھا۔ مسلمانوں کا عالم یہ تھا کہ وہ ہمیشہ امیر افغانستان کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے رہے۔ ۱۹۱۳ء میں امیر افغانستان نے جب ہندوستان کا دورہ کیا تو علی گڑھ، اور دہلی بھی تشریف لے گئے۔ ان دونوں مقامات پر جس شان سے ان کا استقبال ہوا، وہ بات برطانوی نائب السلطنۃ کو بھی کبھی حاصل نہ ہو سکی۔ پھر جب امان اللہ خاں اور حکومت ہند میں آویزش ہوئی تو مسلمانوں نے علی الاعلان افغانستان کا ساتھ دیا۔ جنرل نادر خاں تھل تک بڑھتے چلے آئے۔ آخر بات صلح نامہ پر ختم ہوئی، اور

وہ ہزمجسٹی تسلیم کر لیے گئے۔ جواہر لال نے اپنی خود نوشت میں اپنے سفر نینی تال کا ذکر کیا ہے۔ اتفاق سے اسی ہوٹل میں افغانستان کا وفد جو معاہدۂ صلح کی گفت و شنید کے لیے آیا ہوا تھا مقیم تھا۔ اس وفد کے قائد مارشل ولی خاں تھے۔ اس ساری مدت میں برصغیر کے غلام مسلمانوں نے افغانستان کی حریت و استقلال کی سعی و جہد میں درامے درمے قدمے سخنے ہر طرح ساتھ دیا، اور اس سے مخالف اندیشہ ہائے دور دراز میں بھی مبتلا ہوئے۔ پھر ۱۹۲۸ء میں جب افغانستان کے ہز مجسٹی امان اللہ خاں یورپ جاتے ہوئے ہندوستان آئے تو مسلمانوں نے دیدہ و دل ان کے لیے فرش راہ کر دیے۔ بمبئی میں آل انڈیا مجلس خلافت کی طرف سے ان کی خدمت میں ایک سپاسنامہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے پیش کیا، اور مولانا شوکت علی نے بھرائی ہوئی آواز میں بہ چشم پُرنم تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ما مسلمانانِ ہند غلام ہستیم ہیچ وسیلہ بجز خدائے تعالیٰ نداریم!"

تو امان اللہ خاں اٹھے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور فرمایا:

"لا تقنطوا من رحمۃ اللہ!"

پاکستان بننے کے بعد، افغانستان دنیا کا واحد ملک تھا جس نے اقوام متحدہ کی ممبری کے لیے جب پاکستان کا نام پیش ہوا تو مخالفت میں ووٹ دیا، اور پختونستان کے سلسلے میں غیر دوستانہ رویہ ~~اختیار کیا لیکن وہ محض~~ اسلامیت کا جذبہ تھا جس نے پاکستان کے مسلمانوں کو افغانستان سے ربط قائم

3 رکھنے پر مجبور رکھا۔ لیاقت علی خاں نے جہانگیر پارک کے جلسے میں (۱۹۴۹ء) ۱۴ راگست کو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"افغانستان کے عوام پر ایک پرائیویٹ لیمیٹڈ کمپنی (خاندانِ شاہی) حکمران ہے، اور ہمارے ساتھ اس نے معاندانہ طرز عمل اختیار کر رکھا ہے، ہم جب چاہیں اسے سبق دے سکتے ہیں لیکن اسلام کا رشتہ ہمیں اس اقدام سے روکتا ہے۔"

4 لیاقت علی خاں کے وقت سے ایوب خاں کے عہد تک کئی بڑے نازک مرحلے آئے۔ ایک مرتبہ تو سفارتی تعلقات تک منقطع ہو گئے، لیکن جس چیز نے صورتِ حال کو نازک تر ہونے سے بچایا وہ یہی "اسلام کا رشتہ" تھا، اور اب خدا کا شکر ہے دونوں ملکوں کے تعلقات پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئے ہیں۔

ایران — ایران سے مسلمانانِ برصغیر کے تمدنی، تہذیبی اور ثقافتی تعلقات، صدیوں سے

چلے آرہے ہیں، ان تعلقات میں تلخی کبھی نہیں پیدا ہوئی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں (۱۹۱۸ء) مشہد مقدس پر گولہ باری ہوئی تو برصغیر کے مسلمان وقفِ اضطراب ہوگئے۔ شاہانِ قاچار کے زمانے میں برطانوی اور روسی استعمار نے ایران کو لقمۂ تر سمجھ رکھا تھا، لیکن وہ برصغیر کے مسلمانوں کا جوشِ اخوت تھا جس سے سہم کر یہ حکومتیں من مانی کرتے ہوئے ہچکچاتی رہیں، ورنہ آذربائیجان، تاجکستان، بخارا، تاشقند اور قازقستان وغیرہ کی طرح ایران بھی روس کے مقبوضات میں شامل ہوچکا ہوتا۔ دوسری جنگِ عظیم میں جب رضا شاہ پہلوی نے اتحادیوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا اور اپنی غیر جانبداری پر اصرار کیا تو برطانیہ اور روس کی فوجیں فاتحانہ یلغار کرتی ہوئی بڑھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رضا شاہ پہلوی جنوبی افریقہ میں جنرل اسمٹس کی تحویل میں دے دیے گئے، اور موجودہ شہنشاہ جو بہت کم سن تھے تخت نشین کردیے گئے۔ غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا، وہ جنگ کی ہوسناکی کے باوجود خاموش نہ رہ سکے، اور اپنے جذبات کا اظہار کرنے میں انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے قائدِ اعظم کی زیرِ صدارت ایک نہایت تلخ اور سخت تجویز منظور کی جسے حکومتِ ہند نے شائع نہیں ہونے دیا۔ لیکن اس کا اثر اس نے بہر حال قبول کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ایران اور پاکستان کے تعلقات بہت زیادہ استوار ہوگئے۔ شہنشاہِ ایران ۱۹۴۹ میں پہلی مرتبہ پاکستان وارد ہوئے۔ خواجہ ناظم الدین نے جو گورنر جنرل تھے، ایئرپورٹ پر اردو زبان میں سپاسنامہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ جس اخوت و محبت کا مظاہرہ شہنشاہ کے ساتھ پاکستان کی حکومت اور پاکستان کے عوام نے کیا، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کے روابط میں بہت زیادہ استحکام پیدا ہوگیا ہے۔

ڈاکٹر مصدق کے عہد میں جب اینگلو ایرانین آئل کمپنی کا معاہدہ منسوخ ہوا (۱۹۵۳ء) تو پاکستان نے ہر طرح اس اقدام کی تائید کی۔

یہ دونوں ممالک علاقائی تعاون برائے ترقیات اور معاہدۂ سنٹو کے رشتے میں بھی وابستہ ہیں۔ ان معاہدات کے ماتحت متعدد مشترک ترقیاتی منصوبے زیرِ عمل لائے جاچکے ہیں، اور لائے جارہے ہیں۔

انڈونیشیا ——— یہ بھی ایک اسلامی ملک ہے اور پاکستان نے ہمیشہ اور ہر موقع پر دوسروں کو ناراض کرکے بھی اس کی تائید و حمایت اور امداد و اعانت کا فرض ادا کیا۔ ولندیزی حکومت کے خلاف

جب انڈونیشیا کے مجاہدین حریت نے معرکۂ کارزار برپا کیا تو پاکستان اگرچہ نیا نیا عالم وجود میں آیا تھا اور بے شمار دشواریوں اور مصیبتوں میں گرفتار تھا لیکن اس نے اپنا فرض ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اس نے ایسے تمام ولندیزی جہازوں کی پروازیں اپنی فضا میں ممنوع قرار دیں جو ڈچ فوج کے لیے اسلحہ اور ساز و سامان لے کر پرواز کیا کرتے تھے۔ مغربی ایرین کے متنازعہ مسئلے میں بھی اس نے نیدرلینڈ کی مخالفت کی اور کھل کر انڈونیشیا کا ساتھ دیا۔ اس علاقے کے اختیارات حکومت کا انتقال بھی اقوام متحدہ کے پرچم تلے، پاکستانی فوجوں کی نگرانی میں عمل میں آیا۔ ۱۹۵۰ء میں صدر سوکارنو نے جب پاکستان کا دورہ کیا تو انھوں نے پاکستانی فوج کے اس تعاون کا بطور خاص ذکر کیا جو اس نے انڈونیشیا کے ساتھ مرعی رکھا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"پاکستانی سپاہیوں اور ہماری قومی فوج کے مابین خلوص و محبت کی ٹھوس اور ناقابل فراموش مثالیں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ جب پاکستانی سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ انڈونیشیا کی قومی سپاہ پر گولی چلائیں تو انھوں نے صرف ہوائی فائر کیے اور اپنے ایک انڈونیشی بھائی کو بھی زخمی نہیں کیا۔ ہم آپ کی اس رضاکار بریگیڈ کے بھی تہ دل سے سپاس گزار ہیں جس نے ہماری سرزمین پر ہماری جنگ لڑی۔"

الجزائر ——— الجزائر کی جہد حریت میں بھی پاکستان نے پورا پورا ساتھ دیا۔ بنڈونگ کانفرنس میں جس کا ایک داعی پاکستان بھی تھا، پاکستان نے الجزائر کے حق خود ارادیت کی تائید کی (۱۹۵۳)۔ اقوام متحدہ کے اجتماعات میں بھی اس نے اپنی یہ روش قائم رکھی۔ بلکہ اسی نے الجزائر کے حق خود ارادیت کی تجویز مجلس اقوام متحدہ میں پیش کی، اور فرانسیسی حکومت کو ترغیب دی کہ وہ مجاہدین الجزائر سے گفت و شنید کرکے اور ان کے مطالبات تسلیم کرکے اپنا وقار بڑھائے۔ پھر جب الجزائر کی عبوری حکومت ——— جسے فرانس نے تسلیم نہیں کیا تھا ——— قائم ہوئی تو پاکستان نے بے تامل اسے تسلیم کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں ممالک کے تعلقات خوش گوار چلے آ رہے ہیں۔

اردن ——— اس ملک سے بھی پاکستان کے تعلقات شروع ہی سے برادرانہ اور دوستانہ چلے آ رہے ہیں۔ ۱۹۴۹ میں پاکستان کے وزیر خارجہ نے تجویز پیش کی تھی کہ یروشلم میں مسلم ممالک کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے جس میں اسرائیلی فتنے کے سدباب اور باہمی تعاون اور خیر سگالی کی تجاویز پر غور کیا جائے۔ بعض وجوہ سے جن کی تفصیل مناسب نہیں یہ مفید تجویز بروئے کار نہ آ سکی۔ لیکن اس سے

کم از کم پاکستان کے جذبے کا اظہار بہرحال واضح طور پر ہوتا ہے، اور گو یہ تجویز بروئے کار نہ آ سکی لیکن پاکستان اور اردن کے باہمی تعلقات زیادہ سے زیادہ استوار ہوتے چلے گئے۔ دونوں ممالک کے مابین ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں ایک تجارتی معاہدہ بھی ہوا، اور دونوں ممالک نے ایک دوسرے سے اپنی ضرورت کی چیزیں درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔

ٹیونس ـــــ ٹیونس سے بھی مسلمانوں کے دیرینہ روابط ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں ٹیونس کے ایک مجاہد حریت علامہ عبدالعزیز ثعالبی، ہندوستان تشریف لائے تھے اور مسلمانوں نے ان کی ہر طرح سے اخلاقی امداد کی تھی۔ پاکستان کے عالم وجود میں آنے کے بعد، موجودہ صدر حکومت حبیب بورقیبہ بھی، جو اپنے ملک کی حریت کے لیے جدوجہد میں مصروف تھے، پاکستان آئے، اور یہاں ان کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں یہ ملک آزاد ہوا۔ آزادی کے بعد دونوں کے تعلقات میں اور زیادہ استحکام پیدا ہوا۔ تجارتی اور ثقافتی روابط قائم ہوئے، اور معاہدے بھی کیے گئے، اور ان تعلقات میں برابر استواری پیدا ہو رہی ہے۔

ترکی ـــــ ترکیہ چونکہ خلافت اسلامیہ کا مرکز تھا اس لیے مسلمانوں کو ہمیشہ اس سے غیر معمولی تعلق رہا۔ جنگ طرابلس میں اطالیہ کی جارحیت کے وقت اور پہلی جنگ عظیم میں، جب وہ جرمنی کا اتحادی بن چکا تھا، اور پہلی جنگ عظیم کے اختتام کے بعد جب وہ شکست سے دوچار ہوا، اور برطانیہ کی شہ پر یونان نے اس پر یلغار شروع کی، پھر صلح نامہ سیورے کے وقت، جب عصمت انونو خود ترکیہ کی رہنمائی ایک شکست خوردہ فوجی کی حیثیت سے نہیں، ایک سرفروش مجاہد کی طرح کر رہے تھے، برصغیر کے مسلمانوں نے بغیر کسی ذہنی تحفظ کے جان و مال سے اس کا ساتھ دیا، اور ذرا پروا نہ کی کہ برطانوی حکومت کی چیں بہ پیشانی کن سوانح پر منتج ہو گی۔ پہلے انھوں نے "انجمن خدام کعبہ" قائم کی، بعد ازاں آل انڈیا خلافت کمیٹی کی تشکیل کی۔ وکیلوں نے وکالت چھوڑ دی۔ طلبا نے کالج چھوڑ دیے۔ مقدمے بازوں نے عدالت کا مقاطعہ کر دیا۔ نیاز مندان سرکار نے خطابات واپس کر دیے، اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ سول نامتابعت کی تحریک شروع کی، ترک موالات کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی کتاب "اچھوت اور گاندھی" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ تجویز سب سے پہلے خلافت کمیٹی نے منظور کی، پھر کانگرس نے۔ جائدادیں ضبط ہوئیں، سجن و زنداں اور دار و رسن کا جرأت اور دلیری کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ برطانیہ نے یونان کی ہر طرح سے مدد کی تھی، اور اس نے ترکیہ کے کئی دیہاتوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا تھا، اور اب لائیڈ جارج نے اعلان کر دیا تھا "فاتح کو ثمرات فتح سے

محروم نہیں کیا جا سکتا"۔ صلح نامۂ سیورے میں تو ترکیہ کے حصے بخرے کرنے کی اسکیم زیر غور تھی۔ جن مسلمانوں نے اپنے پریس ضبط کرائے، اخبارات بند کرائے، عصمت قلم قائم رکھنے کے لیے ہر طرح کے مصائب برداشت کیے، بے بضاعتی کے باوجود، رقم خطیر جمع کی اور میڈیکل مشن بھیجا۔ وہ ان حالات پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ کفن سر سے باندھ کر میدان میں آ گئے۔ "علمائے ہند کا متفقہ فتویٰ" شائع ہوا جس کی رو سے برطانوی حکومت کی ملازمت خواہ فوجی ہو یا غیر فوجی حرام قرار دی گئی۔ کراچی کا مقدمۂ بغاوت اسی کی صدائے بازگشت تھا۔ کیونکہ وفد خلافت یورپ سے ناکام ہو کر واپس آ چکا تھا اور اب تنگ آمد بجنگ آمد کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔ پھر جب پاکستان وجود میں آیا تو ترکیہ سے اتحاد و اخوت کا رشتہ اور زیادہ مستحکم ہو گیا جو آر سی ڈی کی صورت میں رونما ہوا اور ایران، ترکی اور پاکستان باہمی مفاد کے سلسلے میں مشترک اقتصادی، صنعتی اور تجارتی رشتے میں منسلک ہو گئے آر سی ڈی کے بارے میں صدر ایوب نے بیان دیتے ہوئے کہا:

"ہم ترقیاتی مقاصد کے لیے علاقائی طور پر پارٹنر بن چکے ہیں جس کا مقصد مشترک اور متحدہ طور پر اپنی قوم کے مفاد اور فلاح و صلاح کے لیے سرگرم کار ہو جانا ہے۔ اس اتحاد کی صورت ہی میں ہم اپنی آزادی کو بامعنیٰ اور گراں قدر ثابت کر سکتے ہیں۔

آر سی ڈی کے سانچے میں مشترک مسائل کے لیے ہمیں اپنی قابلیت اور تجربے کو بروئے کار لا کر مستفید ہونا ہے۔ ہم مشترکہ منصوبے اور اقتصادی و تجارتی تعاون کو بروئے کار لا کر اپنے تینوں ملکوں کے لیے فروغ و ترقی کا راستہ پیدا کریں گے۔"

سعودی عرب ـــــ برعظیم کے مسلمانوں کو ارض مقدس سے جو مرکز اسلام ہے قدرتی طور پر دلی اور روحانی تعلق ہے۔ اس ملک سے پاکستان کے روابط و مراسم شروع ہی سے حد درجہ خوش گوار اور مستحکم چلے آ رہے ہیں۔ ہر مرحلے پر پاکستان نے دوسروں کے چشم و ابرو کی پروا کیے بغیر اپنے اس برادر ملک کا ساتھ دیا۔ نخلستان بریمی کے سلسلے میں سعودی عربیہ اور برطانیہ کے مابین جب تنازعہ نے نازک صورت اختیار کر لی اور جو کئی سال تک قائم رہی، پاکستان نے سعودی عربیہ کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کیا۔ پھر سعودی عربیہ نے جب اسرائیل کو تسلیم کر لینے کے باعث مغربی جرمنی سے سفارتی تعلقات منقطع کیے اور برطانیہ و فرانس سے ۱۹۵۶ میں نہر سویز پر حملے کے باعث یہی صورت پیش آئی تو پاکستان نے نہ صرف

سعودی عربیہ کے موقف کی پُر زور تائید کی بلکہ مذکورہ ممالک میں اس کے مفاد کی نگہبانی کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ پاکستان کی یہ کوشش بھی ہے کہ ترقیاتی منصوبوں کو کامیاب بنانے میں سعودی عربیہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے ضروریات کو نظر انداز کر کے بڑی تعداد میں وہاں انجینئر اور ڈاکٹر بھیج رکھے ہیں۔ ایسے ماہرین فن کی تعداد ۱۹۰۰ سے متجاوز ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے میڈیکل کالجوں، اور انجینئرنگ یونیورسٹی میں سعودی عربیہ کے طالب علموں کے لیے نشستیں بھی مخصوص ہیں۔

فلسطین ——— یہ مقام سرزمین انبیا ہے۔ یہیں بیت المقدس ہے جہاں سے سرور کائنات کو معراج کا شرف حاصل ہوا۔

پاکستان بننے سے پہلے ۱۹۳۵ء میں جب ہٹلر نے یہودیوں کو جلا وطن کرنا شروع کیا تو انھوں نے فلسطین پر یلغار شروع کر دی۔ لارڈ بال فور کی اسکیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہودی کثیر تعداد میں فلسطین آنے لگے اور انھوں نے وہاں کے مفلوک الحال عربوں کی زمینیں گراں قیمت پر خریدنا شروع کر دیں۔ مفتی امین الحسینی، مفتی اعظم فلسطین نے خطرے کو محسوس کیا، انھیں اندیشہ پیدا ہوا کہ مستقبل قریب میں یہودی اس دیس کے مالک بن جائیں گے اور عربوں میں یہ سکت ہے نہیں کہ ان کی امارت کا مقابلہ کر سکیں۔ مفتی صاحب نے نہ مصر کی طرف التجا کی نظروں سے دیکھا جو عالم عرب میں سب سے زیادہ دولت مند ملک تھا۔ نہ سعودی عربیہ، یمن، عراق اور دوسری عرب حکومتوں سے استمداد کی۔ وہ سیدھے ہندوستان آئے اور بمبئی میں ڈیرہ ڈال دیا۔ ان کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمان فلسطین میں کارخانے قائم کریں، زمینیں خریدیں، اور عربوں کے لیے روزگار مہیا کریں اور انھیں اس امر سے بے نیاز کر دیں کہ وہ مجبوری کی حالت میں یہودیوں کے ہاتھ اپنی زمین فروخت کریں۔

جس طرح تحریک خلافت میں آغا خاں نے "امام حاضر" اور خلافت سے بے تعلق ہونے کے باوجود بڑھ چڑھ کر مالی مدد دی تھی، اسی طرح اس مرتبہ ملا طاہر سیف الدین نے جو داعی امام غائب کے منصب پر فائز تھے، اور اپنی فکر اور مرتبے کے اعتبار سے عامۂ مسلمین سے جداگانہ حیثیت رکھتے تھے، مفتی اعظم کی نہ صرف شاندار اور شاہانہ ضیافت کا کئی روز تک سلسلہ جاری رکھا بلکہ ہر طرح کی مالی امداد کا وعدہ بھی کیا۔ مولانا شوکت علی نے جس طرح آغا خاں کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کر کے مجوزہ مسلم یونیورسٹی کے لیے ۳۰ لاکھ روپیے جمع کیے تھے ——— آغا خاں نے اپنے "میمائرس" میں بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا کو خراج تحسین پیش کیا ہے ——— اسی طرح اب مجلس خلافت کا کاروبار اپنے رفقا پر چھوڑ کر،

مفتی صاحب کے ساتھ ہندوستان گیر دورے پر روانہ ہو گئے۔ یہ تحریک یقیناً کامیاب ہوتی لیکن لارڈ ولنگڈن وائسرائے آف انڈیا، آڑے آیا۔ اس نے سرسلیمان قاسم مٹھا کو ہموار کیا، اور انھوں نے سبز باغ دکھا کر دفعتہً مفتی صاحب کو ہندوستان سے رخصت ہو جانے پر آمادہ کر لیا، اور بات ختم ہو گئی۔ لیکن بات صرف اسی حد تک ختم ہوئی کہ مسلمانانِ ہند روپیہ نہ بھیج سکے۔ ورنہ جہاں تک ان کے جذبات کا تعلق ہے ان کا اظہار شدت اور تندہی کے ساتھ برابر ہوتا رہا، اور حکومت برطانیہ پر، مجلس اقوام (جنیوا) پر، فلسطین جس نے زیر انتداب کر رکھا تھا، مسلمانوں کی یورش اور یلغار کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

برصغیر میں دو مرتبہ فلسطین کانفرنس منعقد ہوئی، اور حکومت برطانیہ پر واضح کیا گیا کہ اگر اس نے لارڈ بالفور کی پالیسی پر عمل کیا، یعنی فلسطین کو وطن الیہود بنانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج بہت تلخ ہوں گے۔ آخری کانفرنس مولانا شوکت علی کی زیر صدارت ۱۹۳۶ء میں بہ مقام دہلی منعقد ہوئی تھی، اور اس کے بعد مولانا نے ہندوستان گیر دورہ شروع کر دیا تھا۔ لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے وائسرائے کو متنبہ کیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان اس سلسلے میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ جس پر ایک سرکاری اخبار نے مولانا کے خلاف بڑا زہریلا اداریہ لکھا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں ایک فلسطین کانفرنس یروشلم میں ہوئی تھی جس میں علامہ اقبال نے بھی شرکت کی تھی۔ تقسیم فلسطین کی تجویز جب برطانیہ کی طرف سے منظر عام پر آئی تو مسلمانان برصغیر تلملا اٹھے۔ فوراً خلافت کمیٹی کی طرف سے ایک وفد انگلستان روانہ کیا گیا جس کے ممبر چودھری خلیق الزمان اور سربراہ عبدالرحمٰن صدیقی تھے، اور آخر کار برطانیہ کو اپنے اس ارادے سے دست بردار ہونا پڑا۔

پھر جب امریکہ، اور برطانیہ اور روس کی شہ سے دفعتہً اسرائیل کا قیام عمل میں آگیا (۱۹۴۸ء) اور اس کے تباہ کن نتائج ظاہر ہونا شروع ہوئے تو پاکستان کی طرف سے قدم قدم پر اس نوزائیدہ حکومت اور اس کے معاونوں اور سرپرستوں کی مخالفت جاری رہی جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ پاکستان کی تشکیل سے پہلے، لیکن تحریک پاکستان کے دور میں قائداعظم نے متعدد مواقع پر، فلسطینی عربوں کی حمایت، اور یہودیوں اور برطانوی حکومت کی مخالفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۴۵ء میں بہ مقام بمبئی ایک عظیم الشان جلسہ اسی سلسلے میں منعقد ہوا، جس میں مصر اور بعض دوسرے عرب ممالک کے قناصل بھی

شریک تھے۔اس جلسے میں قائداعظم نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ایک طرف ستم زدگان فلسطین کو یقین دلایا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، دوسری طرف برطانیہ کو متنبہ کیا کہ اگر اس نے اپنی پالیسی نہ بدلی تو نتائج حد درجہ تلخ اور اندوہناک ہوں گے، اور ان کی تمام تر ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہوگی۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم نے صدر ٹرومین کو ایک نہایت سخت خط لکھا، اور کہا کہ اسرائیل کو عربوں پر مسلط کرنا، اور عربوں کو ان کے اس وطن سے محروم کرنا جہاں دو ہزار سال سے وہ رہتے چلے آرہے ہیں حد درجہ ملامت انگیز روش ہے۔اس سے آپ جس قدر جلد باز آجائیں بہتر ہے۔مجلس اقوام متحدہ میں بھی پاکستان کے وزیر خارجہ نے تقسیم فلسطین کی سخت مخالفت کی اور مطالبہ کیا کہ یہ مسئلہ بین الاقوامی عدالت انصاف میں پیش کر کے وہاں سے فیصلہ کرایا جائے۔موصوف نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ فلسطین کے نوآباد یہودیوں کو یا تو ان کے وطن میں واپس بھیجا جائے، یا آسٹریلیا وغیرہ میں ان کے لیے بندوبست کیا جائے۔جہاں زمین بھی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے اور وسائل کی فراوانی بھی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب ہر طرح کی مزاحمت کے باوجود اسرائیل کے نام سے یہودی حکومت جبر و جور کے بل پر قائم ہوگئی تو پاکستان نے اس کی شدید مخالفت کی۔

۳۔ قبرص ——— ایک زمانہ تھا کہ مسلمان اس خطۂ ارض پر قابض تھے۔عربوں نے، پھر ترکوں نے طویل مدت تک اس سرزمین پر حکومت کی۔لیکن چونکہ ان کا برتاؤ محکوموں کے ساتھ حد درجہ روادارانہ رہا کرتا تھا اس لیے انھوں نے اپنی اکثریت پیدا کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔پہلی جنگ عظیم کے بعد جب ترکیہ اپنے متعدد مقبوضات سے محروم ہوا تو قبرص بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا، اور برطانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔چند سال پہلے (۱۹۶۰ء) جب قبرص کو برطانیہ نے آزاد کیا تو صورت حال یہ تھی کہ مسلمان اقلیت میں تھے اور عیسائی اکثریت میں۔عیسائیوں نے اسے یونان کے ساتھ ملحق کرنے کی کوشش کی، جس کی مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت ہوئی کیونکہ اس دیس کی تعمیر و ترقی میں ان کا بھی بڑا حصہ رہا تھا۔ ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۵ء میں جب یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش ہوا تو پاکستان نے ترکوں کے تاریخی اور قانونی دعاوی کی پُرزور تائید کی۔ ۱۹۶۳ء میں جب حالات نے زیادہ نازک صورت اختیار کر لی اور کشت و خون کا بازار گرم ہوا تو پاکستان نے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا کہ ۱۹۶۰ء کے معاہدے پر قبرص کی حکومت کو قائم رہنا چاہیے، اور مسلمانوں کے حقوق پر چھاپہ مارنے کی کوشش سے باز آجانا

چاہیے۔ ۶۲ء میں پاکستان کے وزیر خارجہ نے کہا تھا:

"اس نازک مرحلے پر ہم ترکیہ کے ساتھ ہیں اور پاکستان ہر طرح کا تعاون کرنے کو دل و جان سے تیار رہے۔"

لیبیا ــــ یہ علاقہ پہلے طرابلس الغرب کے نام سے موسوم تھا، اور اطالیہ نے ترکوں سے چھین کر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ شیخ سنوسی اور ان کے مجاہد مسترشدین نے ہمیشہ استعمار کے خلاف مورچہ قائم رکھا، اور کبھی بھی اطالیہ کی بالادستی قبول نہیں کی۔ ۱۹۱۱ء میں یہاں کے باشندوں پر اطالیہ نے حد سے زیادہ ظلم کیا۔ وہ مرتے اور کٹتے رہے مگر نہ شوقِ شہادت کم ہوا نہ ذوقِ جہاد۔ انہی حوادث کو پیشِ نظر رکھ کر اقبال نے ایک مجاہدہ فاطمہ بنت عبداللہ پر وہ اثر انگیز نظم لکھی تھی" ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی" اسی تاثر کا نتیجہ وہ نظم بھی تھی جس کا عنوان "حضور رسالتمآب میں" ہے اور جس کے آخری دو شعر یہ ہیں، اقبال سرورِ کائنات ﷺ سے عرض کرتے ہیں:

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
یہ چیز وہ ہے جو جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

دوسری جنگِ عظیم کے بعد اطالیہ کے تسلط سے لیبیا آزاد ہو گیا اور وہاں سنوسی خاندان کی حکومت قائم ہو گئی، اور اس کا نام لیبیا قرار پایا۔ پاکستان نے اس کی ہر طرح سے تائید کی، اور آزادی کے بعد اپنے ماہرین فن سے اس کی مدد کی۔ اس وقت وہاں کافی پاکستانی ڈاکٹر اور انجینئر موجود ہیں۔

مصر ــــ مصر سے برصغیر کے مسلمانوں کو ہمیشہ گہرا تعلق رہا۔ مصر بھی برطانوی حکومت کا زیر نگیں اور زیردست تھا۔ وہاں بھی آزادی کی تحریک اٹھی۔ جمال الدین افغانی آزادی کی اس تحریک کے بانی اور رہنما تھے۔ مفتی محمد عبدہٗ اور ان کے شاگرد رشید رضا نے بھی اپنے اپنے وقت میں عظیم کارنامے انجام دیے۔ مصر کے واحد سیاسی زعیم سعد زغلول پاشا تھے۔ برصغیر کے خواص مسلمین میں ان کا وہی اجلال و اکرام تھا جو خود اپنے زعما کا تھا۔ جب بھی برطانیہ کی طرف سے مصر پر کوئی مصیبت آئی، برصغیر کے مسلمانوں نے غیر مشروط طور پر مصر کا ساتھ دیا۔

مصر کی آزادی کے بعد سویز سے برطانوی فوجوں کے انخلا پر دونوں حکومتوں کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔ اس موقعہ پر پاکستان نے مصر کی تائید کی، بعد ازاں جب مصر کی انقلابی حکومت نے سویز کو قومیا لیا تو پاکستان نے اس کے اس حق کی پُرزور تائید کی اور ثابت کر دیا کہ بغداد پیکٹ اور سیٹو میں اس کی شرکت، عرب مفاد کی تائید و حمایت سے اسے غافل نہیں کر سکتی۔ ۱۹۵۶ء میں جب برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا تو پاکستانی عوام نے جس جوش و خروش سے مصر کی حمایت کی وہ ایک یادگار اور تاریخی واقعہ ہے۔ ۱۹۶۰ء میں صدر ناصر نے پاکستان کا دورہ کیا۔ اس دورے سے ان دونوں ملکوں کے روابط میں اور زیادہ استحکام پیدا ہوا۔ دونوں ممالک میں دوستانہ تعلقات کا نیا دور شروع ہوا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں مصر غیر جانبدار رہا۔ اور کاسابلنکا میں عرب سربراہوں کی کانفرنس میں اس نے جو تجویز پیش کی اس میں حق خود ارادیت کی تائید کی گئی۔ اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں مصر اور دوسرے عرب ممالک پر، جب اسرائیل نے حملہ کیا تو پاکستان کے عوام، خواص، اور حکومت سب نے یک جان دو قالب ہو کر جارحیت کی مذمت کی اور مصر، اردن اور شام وغیرہ کی ہر طرح سے مالی اور مادی مدد کی۔

اس کے علاوہ مراقش کی آزادی میں بھی پاکستان نے اپنا فرض ادا کیا، افریقہ کے مسلمان ممالک کی آزادی اور ان کی تعمیر و ترقی میں اس نے اپنی بساط سے زیادہ حصہ لیا۔

۱۹ر نومبر ۱۹۶۷ء کو کراچی میں انقرہ کے گورنر جلال الدین جوشکن نے ایک تقریر کے دوران میں فرمایا:

"ترکوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی امداد اور قربانی کو کبھی فراموش نہیں کیا۔"

یہی بات دوسرے مسلم ممالک پر بھی صادق آتی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء میں جب بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ شروع ہوئی تو اکثر عرب اور مسلم ممالک نے کھل کر پاکستان کا ساتھ دیا۔ اس کی مالی اور مادی امداد میں بیش از بیش حصہ لیا۔ خاص طور پر انڈونیشیا، ایران، ترکیہ، سعودی عرب، اردن، شام، تیونس اور مراقش نے تو اخوت اور محبت کا حق ادا کر دیا۔ در اصل یہ وہ فصل ہے جو تحریک خلافت کے زمانے میں بوئی گئی تھی اور اب کاٹی گئی۔